www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ
مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ستمبر 2017ء / ذوالحجہ 1438ھ جلد نمبر 9 ، شمارہ نمبر 9 - قیمت: 20 روپے سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

حُسنِ ترتیب

- کامیاب انسانوں کے راستے کی طلب کرنا ضروری
- علم دین کے حصول میں احتیاط
- حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا کارنامہ
- حج کے اَہداف اور عملی نظام
- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی شانِ عبدیت
- ایک قوم ایک ٹیکس (آخری قسط)
- مشرقِ وسطیٰ میں تبدیلی کی لہر؛ قطر کے تناظر میں
- عیدالاضحیٰ کا بنیادی پیغام
- حج؛ ظلم کے خلاف اجتماعی طاقت کا مظاہرہ
- ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کی اہمیت
- خداپرستی کا لازمی نتیجہ انسان دوستی ہے
- مُعِزُّ الدَّولہ جنرل محمد بخت خاںؒ
- امام العصر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا **شاہ عبدالقادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

''دل میں جو خیالات آتے رہتے ہیں، یہ بعض خاص طبائع والوں کے تو بالکل نہیں جاتے، البتہ مجاہدات سے ان میں کمی آجاتی ہے۔ اگر انسان یہ خیال کرے کہ یہ بھی سب ادھر سے ہی آ رہے ہیں، جس طرح کہ ''سب افعال کا خالق اللہ ہے'' کا مراقبہ کیا جاتا ہے تو یہ خیالات بھی ٹھکانے لگ جاتے ہیں۔ یہ اور ''وحدت الوجود'' کے سب مراقبے درحقیقت بعض اَمراض کے علاج ہیں اور حقیقت تو وہی ہے، جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

یہ مراقبات بعض اوقات حقائق کے سوا بھی ہوتے ہیں، جو کہ بہ طورِ علاج ہوتے ہیں۔ جیسے درود شریف پڑھتے ہیں تو خیالات کے انتشار کو روکنے کے لیے یہ تصور کر لینا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضے کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہوں اور ادھر سے ایک نور میرے قلب پر آ رہا ہے۔ حال آں کہ ایسا ہونا اکثر واقعتاً نہیں ہوتا۔''

(مجلس ۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۶۶ھ/ 24 ردسمبر 1946ء، مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 80-279، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

اِدارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ رجسٹرڈ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org
رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر **0010030341820010** **الائیڈ بینک** مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ **0533**

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

کامیاب انسانوں کے راستے کی طلب کرنا ضروری

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ (6:1) (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا)

سورتِ فاتحہ میں بیان کردہ ساتواں اصول یہ ہے کہ جب ایک مسلمان نے یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم انسانی سماج کی دُنیوی اور اُخروی ترقی کے امور میں سیدھے راستے پر چلیں گے۔ تو یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے کی طلب کی جائے۔ اب ضروری ہے کہ سیدھے راستے کے بھی معیارات واضح ہوں، کیوں کہ ہر آدمی اپنے راستے کو سیدھا ہی کہتا ہے۔ اس سورتِ مبارکہ میں سیدھے راستے کے دو معیار مقرر کیے ہیں:

ایک فطرتِ انسانی اور عقل وشعور کے مطابق "مستقیم" (بالکل سیدھا) راستہ اختیار کرنا۔

دوسرے انسانی سوسائٹی کی تاریخ میں کامیاب اور انعام یافتہ لوگوں کا راستہ منتخب کرنا۔

ان معیارات کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

"صراطِ مستقیم کو دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے: [1] عقل ونظر کی روشنی میں صراطِ مستقیم سے مراد ہے فطرتِ انسانی پر چلنا اور اس کے طبعی تقاضے پورے کرنا۔ جب انسان کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے جو اس کے طبعی تقاضوں کے مطابق ہے تو وہ ایسا محسوس کرتا ہے، گویا اسے ایک بھولی بسری چیز یاد دلائی گئی ہے۔ جب ہماری طبیعت مخلوقات میں سے کسی مخلوق کی پابند نہ رہے اور ہم اپنی پوری ہمت کے ساتھ فقط اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے لگیں اور یہ بھروسہ اس بھروسے سے زیادہ ہو جو آغازِ طفولیت میں اولاد کو اپنے ماں باپ پر ہوتا ہے تو ہم اپنی فطرت کی تکمیل کے سوا کوئی بات نہیں سوچتے۔ اس وقت ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں اور دعا بھی فقط یہ کہ: "ہمیں سیدھی راہ، فطرتِ انسانی پر قائم رکھ۔"

[2] تاریخ و تجربے کی روشنی میں۔ پچھلی آیت میں "صراطِ مستقیم" کی جو طلب نظریے کی شکل میں تھی وہ اس آیت میں تاریخ اور تجربے کی روشنی میں معیّن کر دی گئی ہے۔ قرآن حکیم نے انعام یافتہ سوسائٹی کی تشریح اس آیت میں کی ہے: "انعام یافتہ لوگ نبی، صدیق، شہید اور صالح ہوتے ہیں۔" (69:4) ایک ترقی کُن سوسائٹی میں اِن چار طاقتوں کے علاوہ اور کیا چاہیے؟ ایسی سوسائٹی میں "نبی" بہ طورِ معلم کام کرتے ہیں۔ وہ "صدیق" اور "شہید" ایسے شاگرد پیدا کرتے ہیں اور "صالحین" کو جمع کرتے ہیں۔

یہ فیصلہ کر لینے کے بعد کہ ہم صراطِ مستقیم پر چلیں گے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایسی سوسائٹی دے جس میں مذکورہ بالا چاروں قسم کے انعام یافتہ لوگ ہوں۔ اس سے ہماری یہی مراد ہے کہ ہم خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدا کردہ سوسائٹی کے نمونے پر ایسی سوسائٹی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

اس اصول کے ذریعے سے ایسے تمام راستوں کو اختیار کرنے والے نظریات اور خیالات کا رد کیا جارہا ہے، جو عقلی طور پر بھی درست نہیں ہیں اور تاریخی طور پر بھی ناکام ہیں۔ گویا سوسائٹی کی درست تشکیل کے لیے ایک ایسے نظریے اور نظامِ فکر وعمل کی ضرورت ہے، جو عقلی طور پر درست ہو اور تاریخی حوالے سے بھی کامیاب رہا ہو۔

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

علم دین کے حصول میں احتیاط

عن محمد بن سیرینؒ قال: "إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ دِيْنٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِيْنَكُمْ." (صحیح مسلم، حدیث نمبر 26)

(محمد بن سیرینؒ فرماتے ہیں: "بے شک یہ علم، دین ہے۔ سو اس بات پر خاص دھیان رکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔")

امام مسلمؒ نے اپنی الجامع الصحیح کے مقدمے میں بعض احادیث سے مستفاد ابن سیرینؒ کا یہ قول دینی علم کے متلاشیوں کے لیے نقل کیا ہے کہ جس شخص سے دینی علم اور اس کی حکمتِ عملی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کا علمی و دینی رسوخ اور جذبہ خوب جانچ پرکھ لو۔ ورنہ دینی علم وحکمت کے حصول اور فہم کا آغاز ہی غلط ہو جائے گا۔ ایسی کوتاہ اور فرسودہ سوچ کی روشنی میں کیا ہوا عمل درست قرار نہیں پاسکتا۔

درج ذیل نکات کی روشنی میں اس مقصد کی روح کو حاصل کیا جاسکتا ہے:

i۔ دینی علم کے حصول کے لیے مقتدا اور رہنما انھیں بنانا چاہیے، جن کی سوچ کی بنیاد دین کے بنیادی مآخذ کی روشنی میں ہو۔ جس بات کی سند دین کے بنیادی مآخذ سے پیش نہ کی جاسکتی ہو وہ گمراہی، بے دینی اور خیر سے خالی ہے۔

ii۔ رہنما کا علم وفکر دین کے اجتماعی مطالعے پر مبنی ہو۔ دین کے اکثر یا بعض حصے کو نظر انداز کرنے والے، سطحی علم کے حامل اور محض بعض جزئیات پر زور دینے والے رہنمائی کے اہل نہیں ہوتے۔

iii۔ علم وفکر، غلبۂ دین کی سوچ کے تحت ہو۔ محض علمی موشگافیوں یا علم وفکر کے نام پر شکوک وشبہات کو رواج دینا مقصود ہو تو یہ سراسر گمراہی ہے۔ جیسے کہ مستشرقین اور بعض نام نہاد مسلم مفکرین ان کے افکار کو اپنی تصنیفات اور گفتگو میں موضوعِ سخن بناتے ہیں۔

iv۔ عصری تقاضوں سے بے گانہ محض درسی اور نقلی نہج نہ ہو۔ یہ اسلوب کسی امر پر نقلی دلائل کے حصول میں تو مددگار ہوسکتا ہے، لیکن دینی حکمتِ عملی بنانے اور غلبۂ دین کے لیے غیر مؤثر ہی نہیں، بلکہ اس راہ میں سنگین غلطیوں کے ارتکاب کا یقینی اندیشہ ہے۔

v۔ نفاذِ دین کے لیے ایسی عملی تعبیر جو عصرِ حاضر کے سرمایہ پرست اور استحصال پسند طبقات کے تابع ہو، ایسا فکر اس دور میں دین کے لیے بہت بڑا خطرہ اور دین دشمن قوتوں کی آلۂ کاری ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا: "ایک وقت آئے گا کہ لوگ بے علم اور گمراہ لوگوں کو اپنا مقتدا اور رہبر بنالیں گے۔ ان سے مسائل پوچھے جائیں گے، وہ جو جواب دیں گے، اس سے خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔"

بہ ظاہر ہر اچھی بات کرنے والے کو دینی رہبر مان لینے والے اپنی مخلصانہ کوششوں کو ضائع کر بیٹھتے ہیں اور جب نتائج درست نہیں نکلتے تو مایوس، بے عمل اور بسا اوقات دین ہی سے بے زار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے علم دین کے ساتھ درست نظریے کا ہونا ضروری ہے۔

www.rahimia.org

اداریہ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کا کارنامہ

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کو ہم سے جدا ہوئے پانچ سال بیت چکے ہیں۔ آپؒ کی ذات اور جدوجہد پر جب بھی غور وفکر کیا جائے تو آپؒ کے کام کے نتائج کی بہت سی جہتیں کھلنا شروع ہو جاتی ہیں کہ آپؒ نے فکر ونظر کے ایسے ایسے گوشوں کو منور کیا، جو زمانے کی بے رُخی کے سبب تاریکیوں کی نظر ہو چکے تھے۔

مسلمانوں کے اجتماعی زوال کے بعد جس طرح سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر وفلسفے نے اہل دانش کی توجہ حاصل کی اور سقوطِ دہلی کے بعد دیوبند کو ان کے فلسفے کے حوالے سے ایک مرکزیت حاصل ہوگئی اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک اس فکر کے تسلسل اور کڑیوں کو بیان کر کے جو حقِ ترجمانی ادا کیا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ دیوبندیت کا دم بھرنے والے مدارس اور علمی مراکز میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر وفلسفے کو مرکزی حیثیت حاصل ہو جانی چاہیے تھی، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہو سکا۔ خصوصاً پاکستان میں ہمارے دینی مدارس فرقہ وارانہ بحثوں، مسلکی جھگڑوں اور استعمار نے اہل مذہب کو اپنے دام میں پھانسنے کے لیے جو بساط بچھائی تھی، اسی میں اُلجھ کر رہ گئے۔ سماج اور معاشرے کے اجتماعی مسائل کسی بھی سطح پر ان کی ترجیح نہ رہے۔ اس فکری انتشار کی فضا میں مدارس سے نکلنے والے طلبا اور علما کا جو ذہنی سانچہ تیار ہوا، اس نے ہماری قومی زندگی پر جو اثرات مرتب کیے، وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہیں۔ ایسے میں حضرت رائے پوری رابعؒ نے استعمار کی دو رُخے نظامِ تعلیم کی پالیسی کو تنقید کی سان پر چڑھا کر کھرے اور کھوٹے کو الگ کیا اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے طریقے کو اپناتے ہوئے جدید وقدیم تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان فاصلوں کو پاٹنے کی جدوجہد کی۔ آپؒ کالجز، یونیورسٹیز اور مدارس میں پہنچے اور بلاتفریق علما اور گریجویٹس سے مخاطب ہوئے اور انھیں سوسائٹی کے سلگتے مسائل کی طرف متوجہ کیا۔ سیاست ومعیشت کے پالیسی ساز اداروں اور نظام کی خرابی کے معاشرے پر اثرات سے خبردار کیا۔ اور اس قومی زوال سے نکلنے کے لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو اصلاحِ احوال کا حل قرار دیا۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت وفلسفے کو اپنا حرزِ جاں بنائے رکھا اور دنیا کا کوئی فلسفہ حکمتِ ولی اللّٰہی کے مقابلے میں انھیں متأثر نہ کر سکا۔ چناں چہ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں: ''امام ولی اللہ کی حکمت' جس پر کہ ان کی کتابوں ''حُجّۃُ اللّٰہ البالِغہ'' اور ''إزالۃ الخِفاء'' کا مدار اور اساس ہے اور جس حکمت کے ذریعے وہ قرآن مجید، صحاح ستہ اور ائمہ اربعہ کے مذاہب اور محققین علما کی سیاست کو حل کرتے ہیں، وہ ولی اللّٰہی حکمت آج بھی یورپ کی اس انقلابی تحریک سے مقدم اور بلند ہے۔''

(خطبات ومقالات)

حضرت سندھیؒ زندگی کی آخری سانسوں تک ایسے اداروں کے قیام میں مصروف رہے، جن کی بدولت وہ قوم کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں کے ذریعے ان کے فکر سے روشناس کروا سکیں۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں: ''میرا محبوب مشغلہ امام ولی اللہ کی تعلیم واشاعت ہوگا۔ میں اعلیٰ طبقۂ اہل علم کو اس طرف متوجہ کروں گا۔ اس میں دینی عالم اور دانش مند لوگ (میرے) مخاطب ہوں گے۔''

مولانا عبیداللہ سندھیؒ زمانے کی تبدیلی سے نئی نسل کی اس ضرورت کو بہ خوبی سمجھتے تھے کہ اب عربی فارسی کے بجائے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر کو اُردو میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی لیے وہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی اُردو میں لکھی گئی کتابوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ کیوں کہ یہ کتابیں ولی اللّٰہی فلاسفی کو سمجھنے میں بے حد معاون ہیں۔ اسی لیے انھوں نے اداروں سمیت اپنے تلامذہ کی پوری جماعت تیار کی، جس نے تادمِ آخر ولی اللّٰہی حکمت کا علم بلند کیے رکھا۔ حضرت رائے پوری رابعؒ نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے طریقے کے ساتھ امام عبیداللہ سندھیؒ کے طریقے کو جمع کر کے اس کام کو آگے بڑھایا۔ آپؒ کے دور میں اس کی ضرورت دوچند ہو چکی تھی۔ کیوں کہ اب جدید طبقے کے ساتھ ساتھ مدارس سے فارغ ہونے والے طبقے کو بھی عربی فارسی کے بجائے اُردو میں ہی ولی اللّٰہی حکمت سمجھانے کی ضرورت پیش آ رہی تھی۔ کیوں کہ اب مدارس سے فارغ طلبا بھی اپنے نصاب کا حق ادا نہ کرنے کے سبب اس استعداد سے محروم ہو گئے تھے، جو کبھی درسِ نظامی کا نصاب پڑھنے کے بعد طلبا میں پیدا ہوتی تھی اور وہ شاہ صاحبؒ کے معارف کو سمجھ سکتے تھے۔ حضرت سندھیؒ اسی بنیاد پر پُرانے نصاب کے حامی تھے کہ اس سے طلبا میں شاہ صاحبؒ کی کتابیں سمجھنے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، لیکن بعد کو یہ کچھ بھی جاتا رہا۔

حضرت رائے پوریؒ نے عام شہرت اور نام وَری کے میدان سے الگ رہتے ہوئے خاموشی، جاں فشانی اور مستقل مزاجی سے جہاں ملک بھر میں رحیمیہ انسٹیٹیوٹ آف قرآنک سائنسز کے عنوان سے اداروں کا ایک نیٹ ورک قائم کیا، وہاں پر ولی اللّٰہی علوم کے ماہر علما بھی تیار کیے جو کالجز ومدارس کے طلبا میں ولی اللّٰہی حکمت کے عصری شعور کی آب یاری کرنے میں مصروف ہیں۔ حضرتؒ نے اپنی تربیت یافتہ جماعت کے مزاج کی تشکیل مدارس میں فرقہ وارانہ جھگڑوں سے بالاتر، مروّجہ سیاست میں شہرت کے بجائے ولی اللّٰہی حکمت وفلسفے میں غور وتدبر اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے فکر وشعور پر کی۔

کسی بھی فکر کی صداقت اور مفکر کی مساعیٔ جمیلہ کی قبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہوتی ہے کہ اُسے اگلے دور کے لیے اہل لوگ میسر آ جائیں۔ الحمدللہ! حضرت رائے پوریؒ پر یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کہ انھیں ان کی زندگی ہی میں ایسی جماعت سے ان کے فکر اور جدوجہد کو تقویت بخشی گئی، جو زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے موجودہ جانشین حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کو جو گزشتہ کئی سالوں سے حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تمام کتب بالاستیعاب مدارس ویونیورسٹیز کے طلبا کو پڑھا رہے ہیں۔ جن کی آڈیو ویڈیو محفوظ ہو رہی ہیں، جو انشاء اللہ عنقریب کتابی شکل میں بھی قوم کے اہل علم طبقے کے لیے پیش کر دی جائیں گی۔ یقیناً یہ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نوراللہ مرقدہٗ کی محنتوں کا ثمر ہے، جس سے ہم سب مستفید ہو رہے ہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

حج کے اَہداف اور عملی نظام

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

برعظیم پاک و ہند کی عظیم ترین شخصیت حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انقلابی افکار اور تعلیمات انسانیت کے سامنے پیش کیے ہیں۔ دوسرے ہجری ہزارے میں دین حق کی سچی تعلیمات پر مبنی اُن کے بیان فرمودہ افکارِ عالیہ آج بھی اپنے اندر تازگی رکھتے ہیں۔ یہ افکارِ عالیہ نئی سیاسی، سماجی اور معاشی تشکیل کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ مترجم

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجَّۃُ اللّٰہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

حج کے مقاصد و اہداف اور اس میں ملحوظ رکھی گئی مصلحتیں چند اُمور پر مبنی ہیں:

[1] بیت اللہ کی تعظیم، اللہ کے شعائر میں سے ہے۔ اس کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔

[2] اس کے ذریعے سے مسلمانوں کا اجتماع عام منعقد کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ ہر حکومت یا قوم کا ایک اجتماع ہوتا ہے۔ جس میں سب چھوٹے بڑے لوگ جمع ہوتے ہیں، تاکہ وہ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ اس طرح اجتماعی طور پر اپنے دین کے احکامات اور قوانین وضوابط سے مستفید ہوں۔ وہ اس موقع پر اپنے دین کی اہم اور نمایاں علامات اور شعائر کی تعظیم کریں۔ حج دراصل مسلمانوں کا عظیم اجتماع ہے۔ ان کے غلبے اور شان وشوکت کا اظہار ہے۔ اور ان کے (عالمی) لشکروں کے عالمی سطح پر جمع ہونے کا موقع ہے۔ ان کی ملت کی عظمت کا دن ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: ''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے اجتماع کی جگہ قرار دیا اور اسے امن کا مقام بنایا۔'' (125:2)

[3] سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیّدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے لوگ ایسے اعمال ایک تسلسل کے ساتھ کرتے چلے آرہے ہیں، اس کے ساتھ وابستگی اور موافقت اختیار کرنا۔ اس لیے کہ یہ دونوں حضرات ملتِ حنیفیہ کے امام ہیں۔ عربوں کے لیے ان کے احکام وقوانین جاری کرنے والے ہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کو اسی لیے مبعوث کیا گیا تاکہ ملتِ حنیفیہ غالب آجائے۔ اس کی وجہ سے ان کا کلمہ غالب اور بلند ہوجائے۔ فرمانِ الٰہی بھی یہی ہے: ''تمھارے باپ ابراہیم ملت کا آغاز کرنے والے ہیں۔ انھوں نے ہی تمھارا نام مسلمان رکھا ہے۔'' (78:22) یہ بات لازمی ہے کہ ان دونوں اماموں سے جو مشہور طریقہ اور نظام کار چلا آتا ہے، اس کی حفاظت کی جائے۔ چناں چہ ان کے بیان کردہ انسانی فطرت کے دس بنیادی احکامات اور اَخلاق کی پابندی کرنا اور حج کے طریقۂ کار اور مناسک کی پابندی محفوظ کرنا ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی یہی ہے: ''اپنے حج کے شعائر کی پوری پابندی پر قائم رہو۔ اس لیے کہ تمھیں اپنے باپ حضرت ابراہیمؑ کے ورثے سے یہ ایک ورثہ ملا ہے۔'' (مشکوٰۃ، حدیث 2595)

[4] اس اجتماعِ عام میں لوگوں کو ایسی صورت اور حالت میں جمع کرنا، جس میں ہر عام و خاص کے لیے آسانی اور سہولت ہو۔ جیسا کہ منیٰ میں قیام کی حالت اور مزدلفہ میں رات کا گزارنا۔ اس لیے کہ اتنے بڑے اجتماع میں ایک جگہ پر اگر باہمی اتفاق سے رہنا نہ ہو تو اس سے لوگوں کو بڑی تکلیف ہوگی۔ اگر ''منیٰ'' اور ''مزدلفہ'' (ایسے مقامات) میں قیام کرنے کو لازمی قرار نہ دیا جاتا تو (اجتماعِ عام میں) لوگوں کی کثرت اور پھیلاؤ کے ہوتے ہوئے انھیں ایک جگہ پر اکٹھا کرنا ممکن نہ ہوتا۔

[5] حج کے موقع پر کیے گئے اعمال کے نتائج درج ذیل باتوں کا اظہار ہیں:

(الف) ایسا آدمی توحید پرست اور حق کی اتباع کرنے والا ہے۔ (ب) یہ اعمال کرنے والا ملّتِ حنیفیہ ابراھیمیہ کے دین کو قبول کرتا ہے۔ (ج) وہ ملت کے پہلے لوگوں پر انعام پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، جیسا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا وغیرہ ہیں۔

[6] جاہلیت کے زمانے کے لوگ حج کرتے تھے۔ حج کرنا ان کے دین کا ایک اہم اصول تھا، لیکن ان لوگوں نے بعض ایسے کام بھی حج کا حصہ بنا دیے تھے، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے۔ بلکہ یہ اُمور ان کی اپنی ایجاد تھے، انھیں ختم کرنا:

(الف) ان اُمور میں سے اللہ کے ساتھ غیر کو شریک کرلینا۔ (ب) (قریش نے) کچھ اعمال فخر اور تکبر کے طور پر ایجاد کرلیے تھے۔ جب انصار کو اس اصل (قریش کی ان خرابیوں) کا علم ہوا تو انھوں نے یہ سمجھا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے اور اسے چھوڑ دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کرکے بتلایا کہ ایسا نہیں، بلکہ یہ شعائر میں سے ہیں: ''بے شک صفا اور مروہ شعائر اللہ سے ہے۔'' (158:2)

[7] ان اُمور میں سے ایک یہ ہے کہ قریش نے ایسے فاسد خیالات اور قیاسات گھڑ رکھے تھے، جو دین میں انتہا پسندی کا دروازہ کھولتے تھے۔ ان کی وجہ سے لوگوں کا بڑا حرج ہوتا تھا۔ چناں چہ ضروری تھا کہ انتہا پسندی پر مبنی درج ذیل ایسے خود ساختہ تمام اُمور کو منسوخ کردیا جائے اور انھیں چھوڑنے کا حکم دیا جائے: (الف) وہ کہا کرتے تھے: ''احرام باندھنے والا آدمی اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت دروازے سے داخل نہ ہوا کرے۔'' چناں چہ وہ اپنے گھروں کے پیچھے کی دیواریں پھلانگ کر داخل ہوا کرتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ گھروں میں دروازے سے داخل ہونا ایک ایسی سہولت ہے، جو احرام کی حالت کے منافی ہے۔ چناں چہ یہ آیت نازل ہوئی: ''اور نیکی یہ نہیں کہ تم چھت کی جانب سے دیواریں پھلانگ کر گھروں میں آؤ۔'' (189:2) (ب) وہ لوگ ایامِ حج میں تجارت اور کاروبار کرنے کو ناجائز اور مکروہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اس کی وجہ سے خالص اللہ کے لیے کیے جانے والے عمل میں خرابی واقع ہوجاتی ہے۔ چناں چہ اللہ نے یہ حکم نازل کیا: ''تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (کاروبار اور تجارت کے ذریعے) اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔'' (198:2)

(ج) ان کے نزدیک اچھی بات یہ تھی کہ سفر خرچ لیے بغیر حج کیا جائے۔ وہ لوگ کہا کرتے تھے: ''ہم اللہ پر توکل کرنے والے ہیں۔'' اس طرح وہ لوگوں پر تنگی کا باعث بنتے اور زیادتی کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''اور سفرِ خرچ لے کر چلا کرو، کہ خرچ راہ میں گناہ سے بچنا بہتر ہے۔'' (197:2)

(د) قریش کہا کرتے: ''سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ایامِ حج میں عمرہ کیا جائے۔'' اور کہا کرتے تھے: ''جب صفر کا مہینہ گزر جائے اور (سفرِ حج کی وجہ سے) زخمی اونٹ کی پشت ٹھیک ہوجائے اور آثارِ سفر ختم ہوجائیں، تو اب عمرہ کرنے والے کے لیے عمرہ جائز ہوگا۔'' اس کی وجہ سے دور دراز کے علاقوں سے آنے والوں کے لیے بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ انھیں عمرے کے لیے دوبارہ نیا سفر کرنا پڑتا تھا۔ چناں چہ حَجَّۃُ الوِداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ: ''پہلے عمرہ کرکے احرام سے باہر نکل آئیں اور اس کے بعد حج کا احرام باندھیں۔'' اس طرح ان کے دلوں میں جو غلط خیالات بیٹھ گئے تھے اور بُری عادتیں پیدا ہوگئی تھیں، اس پر آپؐ نے بڑی سخت تنقید اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اس معاملے میں آپؐ نے خوب سختی کی۔ (من أبواب الحجّ، ص 61-160 طبع دیوبند)

www.rahimia.org

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی شانِ عبدیت

مولانا مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے توحید کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی طور پر انتہائی درجے کی عظمت وجلال اور عقیدت پیدا کرنا، جس کے مقابلے میں باقی تمام مخلوق کی عظمت ومحبت ہیچ ہوجائے، ان کا رعب وڈر نکل جائے۔ بلاشبہ عارفین علمائے ربانیین کی یہی شان ہوتی ہے۔'' حضرت حاجی امداد اللہؒ ان علمائے ربانیین میں سے ہیں، جنھوں نے اپنے اَسلاف کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی کا یہی سبق سیکھا۔ انھوں نے اپنے متبعین کے دلوں میں عظمتِ الٰہی کی یہی جوت جگائی اور تمام سامراجی طاقتوں کا رعب نکال دیا۔ درج ذیل واقعہ ان کے اسی جذبۂ صادقہ کی مثال ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے ایک وعظ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں: ''حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ کا واقعہ ہے۔ کسی نے شریفِ مکہ (حسین بن علی) سے آپؒ کی چغلی کھا دی تھی، جس کی وجہ سے شریف کچھ ناراض تھا۔ ایک دفعہ شریف کے کوئی مصاحب حاجی صاحب سے ملنے آئے۔ لوگوں نے دل میں خیال کیا کہ حاجی صاحب ان سے نرمی کا برتاؤ کریں اور اس کی خاطر کریں تو اچھا ہے، تاکہ یہ شریف کے دل پر سے اس شکایت کے اثر کو دھوڈالیں، مگر حاجی صاحبؒ کے یہاں یہ پالیسیاں کہاں تھیں۔ کسی بات پر شریف صاحب کا تذکرہ آگیا تو حاجی صاحبؒ نے مصاحب کے ساتھ تیز گفتگو فرمائی اور فرمایا کہ:

''شریف صاحب میرا کرکیا لیں گے۔ بیش بریں نیست (اس سے زیادہ کچھ نہیں) کہ مجھ کو مکہ سے نکال دیں گے تو میں جہاں بیٹھوں گا، وہیں میرا مکہ مدینہ ہے۔ کیوں کہ کعبہ کی حقیقت شانِ الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت شانِ عبدیت ہے۔ اور یہ شانیں عارف کے ساتھ ساتھ ہیں۔ چاہے وہ کہیں رہے۔ پھر مکہ سے نکال کر وہ میرا کیا بگاڑ دیں گے۔'' (ماہنامہ الامداد، جنوری 2014ء)

1) اس واقعے سے ایک تو ہمیں کعبہ کی حقیقت، شانِ الوہیت اور مدینہ کی حقیقت شانِ عبدیت ظاہر ہوئی۔

2) اہل اقتدار سے مرعوبیت اور ان کی چاپلوسی بھی شرک کی قسم ہے۔

3) حضرت شیخ الہندؒ آج کے رسمی مذہبی طبقے پر اپنے خطاب میں شدید تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''میں نے اس پیرانہ سالی اور علالت ونقاہت کی حالت میں آپ (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی والوں) کی دعوت پر اس لیے لبیک کہا کہ میں اپنی ایک گمشدہ متاع (جذبۂ حریت) کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں۔ بہت سے نیک بندے ہیں، جن کے چہروں پر نماز کا نور اور ذکر اللہ کی روشنی جھلک رہی ہے، لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو اور اس امتِ مرحومہ کو کفار کے نرغے سے بچانے (کی جدوجہد کرو) تو ان کے دلوں پر خوف وہراس مسلط ہوجاتا ہے۔ خدا کا نہیں، بلکہ چند ناپاک ہستیوں کا۔'' (خطبۂ افتتاح جامعہ ملیہ دہلی، ص6) اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں اپنی عظمت ومحبت کے نتیجے میں حریت کا سچا جذبہ پیدا کرے۔ آمین!

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

ایک قوم ایک ٹیکس (آخری قسط)

ٹیکس کے حوالے سے پاکستان اس وقت عملاً تقسیم ہو چکا ہے۔ مرکز اور ہر صوبے کی حکومت نت نئے ٹیکسوں کے ذریعے عوام سے زیادہ سے زیادہ ٹیکس وصول کرنے کی حکمتِ عملی بناتی جارہی ہے، تاکہ بڑے بڑے پراجیکٹوں پر اُس پیسے کو خرچ کیا جائے اور مال بنایا جائے۔ یہ جدید دور کی لوٹ مار ہے جسے کاغذی کارروائی کی چھان بین سے پکڑا نہیں جاسکتا۔ اور عوام پر ہر طرف سے ٹیکس لگایا جارہا ہے۔ اس پر طُرہ یہ کہ میڈیا میں یہ ماحول بنایا جارہا ہے کہ لوگ ٹیکس نہیں دینا چاہتے۔

آج دنیا تیزی سے سمٹ رہی ہے اور آئے دن نت نئے کاروباری مواقع بروئے کار لاتے ہوئے قومیں ترقی کررہی ہیں اور ایسی حکمتِ عملیاں وضع کررہی ہیں جو پوری دنیا کے سرمایہ کاروں کو سہولت کے ساتھ ساتھ بہترین منافع بھی فراہم کررہی ہیں۔ اور بدلے میں وہ سرمایہ کار اُن ممالک کو بہتر ٹیکنالوجی، مہارت، روزگار اور سب سے بڑھ کر سرمایہ جیسے فوائد سے ہم کنار کررہے ہیں۔ چناں چہ ایسے تمام ممالک ٹیکس کے نظام میں خصوصاً ایسی اصلاحات متعارف کروارہے ہیں جو ہر قسم کی کاروباری سرگرمی کو سہولت اور آسانی فراہم کرنے کی غرض سے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں تاریخ کی سب سے بڑی ٹیکس اصلاحات متعارف کروائی گئی ہیں، جن پر گزشتہ دس سالوں سے کام ہورہا تھا اور اب بالآخر پورے بھارت میں ایک سیلز ٹیکس لاگو کردیا گیا ہے۔ اور اٹھارہویں ترمیم کے بعد پاکستان نے حال ہی میں جس ٹیکس کے جنجال پورے میں قدم رکھا، بالکل ایسے ہی نظام کو بھارت نے خیرباد کہہ دیا ہے۔

اندازہ لگایا جارہا ہے کہ 29 ریاستوں اور 7 یونینوں میں ایک ہی قسم کے ٹیکس کے نفاذ سے بھارت کی معیشت ایک فی صد سے تین فی صد پیداوار بڑھائے گی، جو بھارتی معیشت کے موجودہ حجم کے لحاظ سے 20 سے 60 ارب ڈالر بنتا ہے۔ اس کے علاوہ مہنگائی میں کمی کا امکان واضح ہے۔ کیوں کہ اس ٹیکس میں تعیش اور ضرورت کی مصنوعات اور خدمات کے تعین کی بنیاد پر ٹیکس کی شرح کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ کہ حکومتی آمدن میں اضافہ ہوگا۔ کیوں کہ اس آسان نظام کی وجہ سے ٹیکس چوری کے رُجحان کا بھی قلع قمع ہوگا۔ اور سب سے اہم اب بھارت میں کاروبار کے حوالے سے ایک ہی قسم کے کمپیوٹرائزڈ ٹیکس گوشوارے استعمال میں آئیں گے، جس پر تاجروں کو پورے بھارت میں کام کرنے کے حوالے سے آزادی ہوگی۔ گویا اس ٹیکس نے ایک تقسیم شدہ اور پیچیدہ نظام کو وحدت میں پرو دیا ہے، جو یقیناً تاجر وکاروباری طبقے کے لیے ایک خوش خبری سے کم نہیں۔

بدقسمتی سے ملکِ عزیز کے کرتا دھرتا دولت سمیٹنے میں اس قدر منہمک ہیں کہ آس پاس ہونے والی تبدیلیوں سے قطع نظر ٹیکس کے نظام کو کاروباری طبقے کے لیے مشکل اور پیچیدہ بناتے چلے جارہے ہیں۔ بھارت جہاں 36 مختلف اکائیوں نے معاشی ترقی کے مشترک ہدف کو حاصل کرنے کے لیے دس سال میں اپنے اختلافات کو ختم کرکے ایک نیا دور پیدا کردیا ہے تو کیا ہم محض چار اکائیوں کے ہوتے ہوئے اتنی مشکل میں کیوں ہیں اور اس پر بات کی جائے تو ملکی سالمیت کیوں خطرے میں پڑجاتی ہے؟

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

مشرقِ وسطیٰ میں تبدیلی کی لہر؛ قطر کے تناظر میں

قطر بحیرۂ خلیج فارس کے کنارے واقع ریاستوں میں سے ایک ہے۔ اس کا کل رقبہ 11 ہزار 6 سو 8 مربع کلومیٹر ہے، جب کہ کل آبادی 23 لاکھ 38 ہزار 883 افراد پر مشتمل ہے۔ قطر کے شمال میں بحرین اور جنوب میں ابوظہبی واقع ہے، جب کہ مشرق میں خلیج فارس اور مغرب میں سعودی عرب کی ایک وسیع سلطنت آباد ہے، جسے قائم ہوئے 100 سال ہونے کو ہیں۔ قطر کے موجودہ امیر کا نام شیخ التمیم الحمّاد التھانی اور دوحہ دارالحکومت ہے۔ اس کی سالانہ آمدن 77.74 ارب امریکی ڈالر ہیں، جس کا انحصار برآمدات پر ہے، جن میں قدرتی گیس اور تیل کی مصنوعات شامل ہیں۔

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ اپنے پہلے عالمی دورے پر مشرقِ وسطیٰ کے اہم ترین ملک سعودی عرب پہنچا تو وہاں کے حکمرانوں نے بڑا پُرتپاک استقبال کیا۔ 22/مئی 2017ء کو یہاں سے اسرائیل اور پھر وہاں سے یورپ پہنچ گیا۔ 28/مئی کو سعودی وزیر خارجہ روس کے دورے پر ماسکو پہنچ جاتا ہے۔ 5/جون 2017ء کو اچانک قطر اور سعودی عرب کے درمیان اختلافات پھوٹ پڑتے ہیں۔

روزنامہ ہندو کی 5/جون 2017ء کی اشاعت کے مطابق امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے سعودی عرب کے دورے کے موقع پر سعودی حکمرانوں کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ ایران مخالف اتحاد بنائیں، لیکن تین دن کے بعد ہی قطر کی ویب سائٹ پر حزب اللہ کو لبنان کی ''نمائندہ مزاحمتی تحریک'' اور ایران کو خطے کی ''بڑی قوت'' کے طور پر تسلیم کرلیا گیا۔ سعودی حکمرانوں کے لیے یہ بات ہضم کرنا ناممکن تھا، لہٰذا انھوں نے خلیجی ممالک کی طرف سے قطری حکومت سے لاتعلقی کا اعلان کردیا۔ CNN کی اسی دن کی رپورٹ کے مطابق اس اعلان کے برخلاف ترکی اور ایران کی طرف سے قطر کے ساتھ مکمل تعاون کی یقین دہانی کرائی گئی۔ امریکا کے لیے یہ صورتِ حال کتنی اہم تھی کہ امریکی وزیر خارجہ ریکس ٹلرسن اور اس کی FBI کی خصوصی ٹیم صورتِ حال کی جان کاری کے لیے قطر پہنچ جاتی ہے۔ تحقیقاتی ٹیم کے مطابق قطری ویب سائٹ کو روسیوں نے ایسے ہی ہیک کیا ہے، جیسے امریکی انتخابات کے نتائج کو ہیک کیا گیا تھا۔ امریکی ایجنسی کے مطابق روسیوں نے حزب اللہ اور ایران کے بارے میں قطریوں کا غلط مؤقف پیش کیا ہے۔ روسیوں نے اس الزام کو بے بنیاد اور لغو سے تعبیر کیا ہے۔

امریکیوں کا کہنا ہے کہ قطر امریکا کا اہم ترین اتحادی ہے۔ امریکا کی بیرونی دنیا میں سب سے بڑی ایئربیس العدید قطر میں قائم ہے، جہاں اس کے 11 ہزار فوجی تعینات ہیں۔ اس بیس سے 100 کے لگ بھگ لڑاکا ہوائی جہاز جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ یہی وہ مرکز ہے جہاں سے پورے مشرقِ وسطیٰ میں دہشت گردی کے بارے میں فیصلے اور فوجی کمک فراہم کی جاتی ہے۔ المونیٹر کی 8 جون کی اشاعت کے مطابق 1981ء میں گلف ممالک کی تعاون کونسل قائم کی گئی، جس میں خلیج کے تمام ممالک ماسوائے عراق کے شامل تھے۔ اس کونسل کا اس وقت بنیادی مقصد اور ہدف شام میں بشارالاسد اور یمن میں حوثیوں کی نمائندہ حکومتوں کو گرانے کے لیے ہر قسم کے اقدامات کرنا لگ رہا ہے۔ گلف کوآپریشن کونسل Gulf Coopration Council (GCC) جو 6 ملکی جتھہ گزشتہ دو سالوں سے دونوں ملکوں کے بے گناہ عوام پر آگ اور خون کے ساتھ ہولی کھیل رہا ہے، آج یہ پالیسی ناکام ہورہی ہے۔ اسے ایک نیا نام ''عرب نیٹو'' دے کر اپنی اس گھناؤنی سازش کو چھپانے کے لیے اپنی مکروفریب پر مبنی منفی سوچ کو اجتماعیت کا رنگ دینے کے لیے 42 ملکی فوجی اتحاد بنانے جارہے ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے، جس طرح افغانستان میں مجاہدین کی پالیسی فیل ہونے پر طالبان نامی تخریب کار گروہ کھڑا کیا گیا تھا۔ امریکا کی دنیا بھر میں تخریب کاری کی تمام سازشیں بے نقاب اور ناکام ہوچکی ہیں۔ قطری قطع تعلقی کی صورتِ حال پر امریکی وزیر خارجہ ریکس ٹیلرسن ایک ہی ہفتے میں (10/تا15/جولائی 2017ء) دو مرتبہ خلیج کا دورہ کرچکا ہے۔ پہلی مرتبہ دوحہ اور دوسری مرتبہ کویت، جب کہ اسی ہفتے میں جب وہ آسٹریلیا کے دورے پر تھا تو وہاں سے بھی قطری کشمکش میں ہونے والی پیش رفت سے رابطے میں رہا۔

روس اور سعودی عرب قطر کے موضوع پر فون پر بات چیت کرچکے ہیں۔ روسی نیوز ایجنسی انٹرفیکس کے مطابق پیوٹن کا کہنا تھا کہ اس مسئلے کے طویل ہونے سے شام میں امن کی کوششوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ جب کہ امریکی وزیر خارجہ بھی موجودہ صورتِ حال پر عدم اعتماد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ قطری کشمکش سے دہشت گردی کے حوالے سے ہمارے اقدامات کو نقصان کا اندیشہ ہے۔ دونوں بڑی طاقتیں شام میں امن کی جانب ہونے والی پیش رفت کو اسی مسئلے سے وابستہ کررہی ہیں۔ کیوں کہ قطر اس جتھے کا حصہ رہا ہے، جو عراق، لیبیا اور شام میں بشارالاسد کی حکومت کو ہٹانے میں ممکنہ اقدامات کرتے رہے ہیں۔ قطری حکومت کے مؤقف میں تبدیلی کو امریکا روسی اقدام قرار دے رہا ہے، یعنی وہ یہ تسلیم کررہا ہے کہ قطر میں روسی اثرات پہنچ چکے ہیں۔ امریکی پالیسی کے نتیجے میں خطہ جنگ و جدل کی جولان گاہ بنا ہوا تھا۔ وسائل لوٹنے کے لیے بدامنی کا ماحول پیدا کرنا، تاکہ خوف و ہراس پھیلتا رہے۔ یہ امریکا کا پُرانا وطیرہ رہا ہے۔ انسانی فطرت مستقل جنگی حکمتِ عملی سے بہت جلد بے زار ہوجاتی ہے۔ حقیقت میں وہ امن و آشتی کی خواہاں ہے۔

آج امریکا کے مقابلے میں جنگ سے گریز کرنے والی قوتیں طاقت ور ہوتی جارہی ہیں۔ ان قوتوں نے ایشیا میں کئی موقعوں پر اس کا عملی اظہار بھی کیا ہے۔ ان کے سفیر کو دن دھاڑے گولیوں کی بوچھاڑ سے ہلاک کردیا گیا۔ مسافروں سے بھرے طیارے کو فضا میں ہی تحلیل کردیا گیا، لیکن انھوں نے ردِعمل کے طور پر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا، جس سے قتل و غارت کا بازار گرم ہوجانے سے عالمی امن کو خطرہ لاحق ہوتا۔ حال آں کہ یہ قوتیں طاقت اور ٹیکنالوجی میں دنیا میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ ان اقدامات کے نتیجے میں دنیا میں طاقت کے مراکز تبدیل ہونے جارہے ہیں۔ قطر کی صورتِ حال بھی اسی سلسلے کی ایک کوشش دکھائی دیتی ہے۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

عیدالاضحیٰ کا بنیادی پیغام

۱۰؍ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ/ 13؍ستمبر 2016ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزادرائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں عیدالاضحیٰ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! عیدالاضحیٰ کا یہ مبارک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی سنت کے طور پر مقرر کیا گیا ہے۔ دنیا کی ہر قوم اپنے لیے عید کا ایک دن مناتی ہے اور اُس دن میں اپنے فکر و عمل، اپنی تحریک اور اپنی اجتماعیت کے بنیادی اُمور سے واقفیت بہم حاصل کرتی ہے۔ یہ دن دین اسلام کی ابتدا اور حنفی تحریک کے تعارف کا دن ہے۔ اس دن کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ ہم امامِ انسانیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے انسانی اصولوں کو سامنے رکھ کر زندگی بسر کرنے کا عزم اور ارادہ اپنے اندر پیدا کریں۔ دین اسلام کی تعلیمات کی اساس پر امن و سلامتی کا سیاسی نظام بنانا، معاشی سسٹم بنانا، سماجی اور معاشرتی نظام قائم کرنے کا عزم بنائیں۔ یہ اس دن کا اہم پیغام ہے۔

اس دن میں ایک طرف تو ہم دن کا آغاز ہوتے ہی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا اعلان کرتے ہیں۔ اور دوسرے اس دن میں جانور ذبح کر کے اپنے قیمتی مال کی قربانی اللہ کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ اور یہ اس مقصد کے لیے ہے کہ اس قربانی کے ذریعے سے ہمارے دل کی وہ تمام غلاظتیں اور کوتاہیاں اور آلائشیں صاف ہوجائیں، جیسے ذبح کرنے سے جانور کے جسم سے فاسد خون باہر نکل جاتا ہے اور وہ صاف ستھرا اور پاکیزہ ہوجاتا ہے۔ ایسے ہی گویا کہ جانور پر ذبح کی چھری چلاتے ہوئے کہ اپنے دل پر چھری چلانی ہے کہ جس کے ذریعے سے خواہشات، لالچ، خودغرضی، حسد، کینہ، بغض، عداوت، ظلم، ناانصافی جیسے امراض کا علاج ہو۔

اس موقع پر اس حقیقت کو بھی سمجھنا ضروری ہے کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے، ان کے لیے جانور ذبح کرنا لازمی اور ضروری ہے۔ محض اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوجاتی۔ اس لیے کہ مالی صدقات اور زکوٰۃ الگ سے ایک فریضہ ہیں اور اس فریضے کی ادائیگی کا اپنا ایک باقاعدہ نظام ہے۔ آج کل بعض نام نہاد جدت پسند اور دانش ور اپنے طور پر یہ باتیں پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کسی غریب کو صرف قربانی کے پیسے دے دینے سے قربانی ادا ہوجائے گی۔ یہ انتہائی غلط بات ہے۔ اس کا قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔ نبی اکرمؐ کی احادیث نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ ان دنوں میں جانور کو ذبح کر کے خون بہانا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا محبوب ترین عمل ہے۔ اور چوں کہ اللہ کو نہ گوشت چاہیے، نہ خون چاہیے، بلکہ دلوں کا ادب مقصود ہے اور دلوں کے حیوانی مرض کو دور کرنے کا اللہ پاک نے حکم دیا ہے۔ اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اللہ کے راستے میں جانور قربان نہ کیا جائے۔ آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ اور عقل بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جانور ذبح کر کے اسے قربان کیا جائے۔ اس کے علاوہ انسانی بداَخلاقیوں کا علاج ممکن نہیں۔''

حج: ظلم کے خلاف اجتماعی طاقت کا مظاہرہ

حضرت آزادرائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

''بنیادی سی بات قربانی کے ذریعے اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ یہ تبدیلی عیدالاضحیٰ کے دن جانور قربان کر کے پیدا کرنا، اللہ کے راستے میں پورے عزم، ارادے اور درستگیٔ نیت کے ساتھ یہ عمل سرانجام دینا دراصل انسانیت کی ترقی کا باعث ہے۔ اس کو اختیار کر کے سوسائٹی کی ترقی کا عزم کرنا کہ ہم نے خداپرستی اور انسان دوستی کے نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر سوسائٹی کی مجموعی فلاح و بہبود کے لیے اجتماعی طاقت اور قوت پیدا کرنی ہے۔ اس لیے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فرمایا کہ اس دن میں مسلمانوں کا اجتماع دشمن پر رعب پیدا کرنے کے لیے ہے۔ انسانیت کے بنیادی امور کو زندہ کرنے، امن و امان کے قیام کو یقینی بنانے اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے ایک بہت بڑے اجتماع کا عزم ہے۔ دنیا بھر کے تمام مسلمانوں کو اپنے اپنے علاقوں میں ایسا اجتماع کرنا ہے۔ جب کہ اصل مرکزی اجتماع انسانیت کے سب سے بڑے مرکزی مقام بیت اللہ الحرام اور اس کے گرد و نواح عرفات اور منیٰ میں ہوتا ہے۔ جو صاحبِ استطاعت لوگ اس بیت اللہ الحرام مکۃ المکرّمہ میں جمع ہوں گے، ان کے اس عالمی اجتماع کا رعب کفر، ظلم اور ناانصافی کرنے والی انسان دشمن طاقتوں کے خلاف اور قوتوں کے خلاف اس کا اجتماعی مظاہرہ ہوگا۔

آج سب سے بڑا افسوس یہی ہے کہ جو انفرادیت کا مرض ہمارے ہاں ہر ہر جگہ پر مسلمانوں میں پھیل گیا ہے، انھیں کے نمائندے وہاں حج کے موقع پر جاتے ہیں، اور بجائے اجتماعی طاقت کا اظہار کرنے کے وہاں پر وہ ایک اجتماعی عمل، ملٹی نیشنل کمپنیوں، یہودیوں اور طاغوتی سامراجیوں کے فوڈ چینلوں کے لیے ترقی کا باعث بنتا ہے۔ اُن کی فوڈ چین کھانے پینے کے دھندے کے علاوہ اَور کوئی کام نہیں ہے۔ مسلمانوں کے وسائل دو ڈھائی تین مہینوں میں اس کا سب سے بڑا ریونیو بڑی بڑی طاقتیں اور قوتیں اپنے مالی مقاصد اور مفاد کے لیے استعمال کرتی ہیں۔ اس کا اجتماعی فائدہ یا اجتماعی طاقت یا اس کی شان و شوکت کا اظہار ہماری سوسائٹی میں نہیں ہوتا۔

ضروری یہ ہے کہ جو لوگ حج کے لیے جائیں، وہ اس عزم اور نیت کے ساتھ جائیں کہ جو جرأت اور ہمت حضرت آدم علیہ السلام کی تھی، جو حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام، موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام، یوسف و یعقوب علیہما السلام کی تھی اور جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، اُس عزم و ہمت کو زندہ کرنے، اس ارادے کو پختہ کرنے، اس نیت کو درست کرنے کے لیے ہم حج کر رہے ہیں۔ حج کا مطلب ہی ایک پختہ ارادہ کرنا، عزم کرنا اور اجتماعیت قائم کرنا ہے۔ اور اسی اجتماعیت کی یہ شکلیں ہیں جو آج ۱۰؍ذوالحجہ کو دنیا بھر میں مسلمان اپنا اجتماع کرتے ہیں۔ دراصل یہ اجتماعات اسی حج کے اجتماع کے عکس (Reflections) ہیں۔ اسی کے اثرات و نتائج ہیں، جو دنیا بھر میں انسانیت پر پڑنے ہوتے ہیں۔''

www.rahimia.org

بچوں کا کالم

خواجہ عبدالحئی فاروقیؒ (تلمیذِ خاص مولانا عبیداللہ سندھیؒ)

ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کی اہمیت

بچو! تم نے دیکھا ہوگا کہ جب کبھی بہت زور کی بارش ہوتی ہے تو سب کا سب پانی بہہ جاتا ہے اور زمین کے اندر پانی کم جاتا ہے، لیکن اگر تھوڑی تھوڑی بارش دیر تک ہوتی رہے تو زمین کے اندر جذب ہوتی جاتی ہے۔ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور چاروں طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ تم نے بڑے بوڑھوں سے سنا ہوگا کہ ''ایک ایک قطرہ برابر گرتا رہے تو پتھر میں سوراخ ہوجاتا ہے۔''

استقلال اور ثابت قدمی کا یہی مطلب ہے۔ اس سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور اللہ کی رحمت بھی ایسے ہی لوگوں پر نازل ہوتی ہے: ''بے شک جن لوگوں نے اقرار کیا کہ اللہ ہی ہمارا ربّ ہے۔ پھر اس عقیدے پر جمے رہے۔ ان پر رحمت کے فرشتے اُتریں گے کہ آئندہ کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ کرو اور نہ گزشتہ کے لیے کسی طرح کا رنج۔ اور بہشت جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، اب اُس کی خوشیاں مناؤ۔ دنیا کی زندگی میں بھی ہم تمھارے مددگار تھے اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ اور جس چیز کو تمھارا جی چاہے گا، تمھارے لیے بہشت میں موجود ہوگی۔ اور جو چیز تم طلب کرو گے، وہاں حاضر۔ یہ بخشنے والے مہربان خدا کی طرف سے تمھاری ضیافت ہے۔'' (41:32-32)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ کام کون سا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''وہ کام جو ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔'' (بخاری)

ایک مرتبہ آں حضرتؐ گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت کو دیکھا۔ آپؐ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے کہا: وہ ہیں جو اپنا تمام وقت نماز میں گزارتی ہیں۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا: ''ہونہ، تمھیں لازم ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق کام کرو۔ خدا کی قسم! اللہ نہیں تھکتا، یہاں تک کہ تم خود ہی تھک جاؤ گے۔ اللہ سب سے زیادہ اس کام کو پسند کرتا ہے، جسے آدمی ہمیشہ کرتا رہے۔'' (بخاری)

سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ آپ اسلام میں مجھے ایسی بات بتا دیجیے کہ پھر آپؐ کے بعد مجھے کسی اَور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہو کہ میں اللہ پر ایمان لایا۔ اور پھر اس پر جم جاؤ۔'' (مسلم)

اب اس ہمیشگی اور استقلال کی عجیب و غریب مثال بھی سن لیجیے! حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اپنی نیکی، پرہیزگاری اور عبادت کی زیادت کی وجہ سے خاص طور پر مشہور تھے۔ دن کو عموماً روزہ رکھتے اور ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے۔ آں حضرتؐ کو خبر ملی تو آپؐ نے انھیں بلا بھیجا۔ اور پوچھا کہ ''کیا تم نے عہد کرلیا ہے کہ دن روزے میں اور رات عبات میں گزارو گے؟'' انھوں کہا: ہاں یارسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا: ''تم اس کی طاقت نہیں رکھ سکتے۔ روزہ رکھو اور افطار کرو۔ نمازیں پڑھو اور آرام کرو۔ مہینے میں صرف تین دن روزے رکھو۔ ہر نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا۔'' (بقیہ صفحہ 11 پر)

خدا پرستی کا لازمی نتیجہ انسان دوستی ہے

تحریر: حافظ محمد طیب ندیم، اسلام آباد

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تمام مذاہب اور شریعتوں کا بنیادی موضوع حضرت انسان رہا ہے۔ اس کی رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس وقت کے انسانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مبعوث کرتے رہے ہیں، تاکہ ہر انسان اپنے اپنے منصب کے مطابق اس دنیا میں اور آخرت میں ترقی کی تمام منازل طے کرتے ہوئے خدا کی خوشنودی اور رضا حاصل کرسکے۔ خدا کی رضا اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی، جب تک خدا اور بندے کے درمیان گہرا تعلق قائم نہ ہوجائے۔ چناں چہ خدا اور بندے کے درمیان گہرا تعلق قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مختلف احکام نازل فرمائے۔ ان میں سے بعض کا تعلق عقائد و عبادات کے ساتھ ہے اور بعض کا تعلق معاملات و اَخلاق کے ساتھ۔ ان تمام احکامات پر عمل کرنے کے بعد ایک انسان کو اس دنیا میں کیسے پتا چلے گا کہ وہ خدا کی رضا حاصل کررہا ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا و ناراضگی کا دارومدار عقیدہ، عبادات اور حکم کی تکمیل کے بنیادی مقصد کے ساتھ وابستہ کیا ہوا ہے۔ یعنی ہر عقیدے پر ایمان اور ہر حکم پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے مطلوبہ ہدف اور مقصد کو حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر ایمان لانے اور حکم پر عمل کرنے کے بعد مطلوبہ ہدف حاصل نہیں ہوتا تو انھیں اس انسان کے منہ پر مار دیا جاتا ہے، یعنی وہ ایمان اور عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہے۔ لہٰذا اب یہ جاننا ضروری ہے کہ تمام عقائد، عبادات، معاملات اور اَخلاق کا مشترکہ مقصد کیا ہے، جس کے ذریعے انسان یہ جان سکے کہ وہ خدا کی رضا حاصل کررہا ہے یا نہیں؟

اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ ان تمام کا بنیادی و مشترکہ مقصد اس دنیا میں اللہ کی پیاری مخلوق ''انسان سے محبت'' کی شکل نظر آئے۔ یعنی خدا پرستی کے نتیجے میں اگر صاحبِ ایمان کے دل میں ''انسان دوستی'' کا جذبہ بڑھتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شخص کا خدا کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ اور خدا کی رضا کے راستے پر چلتے ہوئے دنیا و آخرت کی ترقی کی منازل طے کررہا ہے۔ اگر خدا پرستی کا لازمی نتیجہ ''انسان دوستی'' نہیں نکلتا ہے تو سمجھ لیجیے کہ یہ وہ بھٹکا ہوا مسافر ہے، جو مسلسل سفر تو کررہا ہے، لیکن منزلِ مقصود نہیں جانتا۔ یا یہ راہی اتنا سادہ ہے کہ اپنے آپ کو خوش فہمی میں دھوکہ دے رہا ہے، لیکن اس دھوکے کا شعور تک نہیں رکھتا۔ آیئے اس موضوع پر قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اسلام میں تین عقائد ہیں: 1۔ عقیدۂ توحید 2۔ عقیدۂ رسالت 3۔ عقیدۂ آخرت

عقیدۂ توحید: یہ عقیدہ ہر انسان کو ہر کسی کے سامنے جھکنے سے روکتا ہے۔ صرف ایک ذاتِ اعلیٰ کے سامنے جھکنے کا حکم دیتا ہے۔ اگر کوئی انسان اس ذاتِ اعلیٰ کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کو بھی اس ذات کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو یہ شرک کہلاتا ہے۔ اور شرک کرنا انسان کی عزت و تکریم کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے شرک کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''بے شک شرک کرنا بڑا ظلم ہے۔'' (31:13) (بقیہ صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

وسیم اعجاز، کراچی

مُعِزُّ الدّولہ جنرل محمد بخت خاںؒ

جنرل محمد بخت خاںؒ کا اصل نام محمد بخش اور والد کا نام عبداللہ خاں تھا۔ عبداللہ خاں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے عقیدت مند نواب نجیب الدولہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ اَودھ کے شاہی گھرانے کے ساتھ رشتے داری تھی۔ بخت خاں بہادر، بے باک، سادہ لباس اور مذہبی رجحان رکھنے والے نوجوان تھے۔ تعلیم کے حصول کے بعد فوج میں ملازمت اختیار کی اور جنگِ افغانستان میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جب جلال آباد تقرر ہوا تو صوبے دار کا عہدہ ملا اور توپ خانے کے سب سے بڑے ہندوستانی افسر بنائے گئے۔ مولانا سرفراز علیؒ کے ہاتھ پر بیعت کا تعلق تھا۔ مولانا سرفراز علیؒ ولی اللّٰہی تحریک کے انتہائی اہم رکن سیّد احمد شہیدؒ کے تربیت یافتہ تھے۔ رئیس المجاہدین مولانا سرفراز علیؒ میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ تھا، اس لیے مختلف علاقوں کا دورہ کرکے جہاد پر آمادہ کیا کرتے تھے۔ جب سلطان آباد تشریف لائے تو اس دوران محمد بخت خاں نے ان کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی۔ جیون لال نے اپنے روزنامچے میں تحریر کیا ہے کہ: ''وہ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد اسی نسل سے تھے، جن سے بادشاہِ دہلی کا تعلق تھا۔''

2/جولائی 1857ء کو صوبے دار بخت خاں اپنے 14 ہزار سپاہیوں کے ساتھ دہلی میں داخل ہوئے تو انگریزی فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی طرف سے ایک ڈھال اور تلوار کے علاوہ ''جنرل'' کا خطاب دیا گیا۔ تمام فوج کے سپہ سالار بنا دیے گئے۔ بخت خاں نے شہر کا انتظام درست کیا اور کوتوالی کو امن و امان کے لیے احکامات صادر کیے۔ شہر میں موجود انگریزی جاسوسوں کی گرفتاری عمل میں لائی گئی۔ بخت خاں کے یہ اقدامات مخالفین کو پسند نہ آئے اور بادشاہ کو شکایت کرنے لگے۔ سب مخالفتوں کے باوجود مجاہدین کی فوجی تربیت کے لیے دستے تیار کیے گئے۔ بخت خاں کی اس فوج میں امیر المجاہدین مولانا سرفراز علیؒ اور مفتی صدر الدینؒ بھی شامل تھے۔ بخت خاں نے اپنی فوجی اسکیم کے تحت کام کیا۔

4/جولائی 1857ء کو دہلی کی جانب سے انگریزی فوج کی رسد کا نظام ختم کردیا۔ 9/جولائی کو مجاہدین کی مدد سے سنگین بردار دستے کو شکست دی۔ دہلی میں ان بھرپور جنگی کارروائیوں کا سلسلہ اگست تک جاری رہا۔ انگریزوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں نفرت پیدا کردیں، تاکہ انقلابیوں کی طاقت ختم کی جاسکے۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے عیدالاضحیٰ کے موقع کو استعمال کرنا چاہا، لیکن جنرل بخت خاں کے مشورے سے بہادر شاہ ظفر نے دو اہم اقدامات کیے: ایک تو یہ اعلان کیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی اختلاف نہیں اور آزادی کے حصول کی جنگ میں سب برابر ہیں۔ اور دوسرا یہ اعلان کیا کہ کوئی بھی مسلمان گائے کی قربانی نہیں کرے گا۔ عید سے دو دن قبل بخت خاں نے یہ اعلان سب جگہوں میں پہنچا دیا۔ اس حکمتِ عملی کے ذریعے شہر کو فرقہ وارانہ فسادات سے بچالیا گیا۔

26/اگست کو جنرل بخت خاں کے مشورے ہی سے بہادر شاہ ظفر کی طرف سے تمام زمینداروں، سپاہیوں، کسانوں، دست کاروں، علما اور دیگر افراد کو فرمان جاری کیا کہ وہ انقلابیوں کی ہر ممکن امداد کریں اور جو فوج میں کردار ادا کرسکتے ہیں، وہ بدیسی حکمرانوں کے خلاف جنگ کریں۔ ایک انگریزی اخبار ''فرینڈ آف انڈیا'' نے اسے ایک انمول قدم قرار دیا ہے۔ دہلی کی یہ جنگ اب ایک عوامی شکل میں نمایاں ہوچکی تھی۔ پورے ہندوستان میں جنگِ آزادی کا آغاز ہوچکا تھا۔

ستمبر 1857ء کے اوائل میں بھی ہندوستانی فوجوں کا انگریزوں کے ساتھ خوب مقابلہ ہوا، لیکن انگریزی جاسوس بھی برابر اپنا کام کرتے رہے اور چند غداروں کی وجہ سے دہلی پر گرفت کم ہونے لگی۔ یہ بخت خاں ہی تھے، جنھوں نے بہادر شاہ ظفر کا حوصلہ بڑھایا اور جدوجہد جاری رکھنے پر آمادہ کرنا چاہا، لیکن چند خوشامدی طبقے نے بادشاہ کو ایک موقع پر اقدام کرنے سے روکا، جس کا اندازہ بادشاہ کی گرفتاری کے بعد ہوا۔ اور 21/ستمبر 1857ء کو شہزادوں کے سر کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیے گئے۔

جنرل بخت خاں ایک بہادر اور مخلص جرنیل تھے جو بڑی حسرت کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوئے اور اکتوبر 1857ء کو فرخ آباد سے ہوتے ہوئے نومبر میں لکھنؤ پہنچے۔ اَودھ کے حکمران واجد علی شاہ کی بیوی حضرت محل لکھنؤ میں انگریزوں کے خلاف ابھی تک برسرِ پیکار تھیں۔ بخت خاں کے ساتھ نہایت احترام کا برتاؤ کیا۔ لکھنؤ اور اس کے نواح میں بخت خاں جنگوں میں شریک رہے۔ تقریباً 5000 فوجی ان کی سرکردگی میں جنگ کرتے رہے۔ جب لکھنؤ میں بھی انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو بخت خاں، امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے شاگرد مولانا احمداللہ مدراسیؒ کی معیت میں شاہ جہان پور چلے گئے۔ شاہ جہان پور میں انقلابیوں کو بہت کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ مولانا احمداللہؒ کی سربراہی میں ایک عارضی حکومت بھی قائم کی گئی۔ اس حکومت میں جنرل بخت خاں کو سپہ سالار کی حیثیت سے نامزد کیا گیا اور مولانا سرفراز علیؒ کو چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔

جب دہلی کی مرکزیت پر ہی انگریز ظالمانہ فوج نے قبضہ کرلیا تو اس کے بعد دوسری جگہوں پر جدوجہد کو کچلنا آسان ہوگیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ یکے بعد دیگرے ہندوستان کے دیگر شہروں پر بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت دوبارہ قائم ہونا شروع ہوئی۔ شاہ جہان پور بھی دراصل غداروں کے چند سکے اور مراعات حاصل کرنے کی وجہ سے انگریزوں کے قبضے میں چلا گیا۔

ان تمام حالات میں جنرل محمد بخت خاں مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے نیپال چلے گئے اور باقی ماندہ زندگی وہیں بسر کی، لیکن کس حال میں بسر کی اور کب وفات پائی اس کا کسی کو علم نہیں۔ جب انگریزوں نے ہندوستان فتح کرلیا تو اس بہادر جرنیل کی بہت تلاش کی گئی، لیکن وہ کہیں نہ ملے اور نہ ہی کسی جنگ میں شہید ہوئے۔

www.rahimia.org

تأثرات

محمد آصف شریف، لاہور

امام العصر حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید

26 ستمبر 2012ء سے کئی سال اس طرح گزر گئے کہ جیسے یہ کل کی ہی بات ہو، جب کہ ابھی تک حضرت اقدسؒ سے جدائی کی تکلیف اور وہ غم و الم ویسے ہی موجود ہے۔ اور گزرا ہوا ہر سال ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا رہا کہ ہم حضرت اقدسؒ کی قربانیوں اور کوششوں کو نہ صرف یاد رکھیں، بلکہ انھیں نتیجہ خیز بنانے کے لیے اپنی جدوجہد کو مؤثر انداز میں آگے بڑھائیں۔ یہ وہ جدوجہد ہے کہ جس کا تاریخی طور پر تعلق حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی جماعت سے ہے۔ اس ڈھائی سو سالہ جدوجہد میں ولی اللّٰہی سلسلے کے اکابرین کی کاوشیں، ان کے اَخلاق، ان کا طریقۂ تربیت اور ان کی بے لوث اور لازوال قربانیوں کی مثال نہیں ملتی۔ ان اکابرین کرام کی نمائندہ شخصیت جس کی جدائی میں کئی سال گزر چکے ہیں اور جن کی صحبت و تربیت سے ابھی تشنہ قلوب نے سیراب ہونا تھا، جن کے علم سے ابھی کم عقلوں کو رہنمائی حاصل ہونا باقی تھی، وہ 26 ستمبر 2012ء کی صبح اپنے ہزاروں چاہنے والوں کو سسکتا چھوڑ کر اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

حضرت اقدسؒ گزشتہ پون صدی سے اس قوم کو جگانے کی کوشش کرتے رہے، جو کہ اپنے اچھے اور بُرے کی تمیز کھو چکی ہے۔ اس کوشش کے دوران زندگی میں کئی نشیب و فراز آئے، مگر حضرت اقدس قدس سرہٗ السعید کے پائے استقامت میں لرزش نہ آئی۔ آپؒ کو سخت اور مایوس کن حالات میں بھی مایوسی اور پریشانی چُھو کر نہ گزری تھی۔ آپؒ کی نظر ہمیشہ اس ہدف پر رہی، جس کی ان کو تربیت دی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ تربیت دینے والے ان پاک نفوس کا اثر تھا کہ سونا کندن بن چکا تھا۔ آپؒ اکثر فرماتے تھے کہ:

''اصل بات نظریے کی ہوتی ہے اور یقیناً عمل نظریے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔''

اس کم تر کی حضرت اقدسؒ کی خدمت میں پہلی حاضری 1989ء کے اواخر میں واہ کینٹ میں ہوئی۔ حضرت اقدسؒ واہ کینٹ، حسن ابدال کے دورے پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ احقر کو تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی سے متعارف ہوئے کچھ ماہ گزر چکے تھے۔ حضرت محترمؒ کا تعارف بہ طور بانیٔ تنظیم کے حوالے سے موجود تھا۔ حضرت اقدسؒ سے استفادے کے لیے احباب ایک گھر میں جمع تھے اور میں بے چینی سے حضرت محترمؒ کی زیارت کا مشتاق تھا۔ نوجوانوں کے درمیان تین اُدھیڑ عمر کے افراد موجود تھے، مگر ان میں حضرت کون ہیں؟ یہ جاننا مشکل تھا۔ کیوں کہ حضرت اقدسؒ کی کوئی ظاہری انفرادیت نہیں تھی۔ کسی دوست کی رہنمائی پر حضرت اقدسؒ کا بالمشافہ تعارف ہوا۔ حیرانی اس بات پر تھی کہ بانیٔ محترمؒ تمام دوستوں کے ساتھ تشریف فرما تھے اور کسی طرح کی انفرادیت نہ تھی۔

حضرت اقدسؒ کی انتھک جدوجہد کی بنیاد ولی اللّٰہی نظریات کی ترویج اور ولی اللّٰہی قافلے کے اکابرین کا تعارف اور اس پر نوجوانوں کی باشعور اجتماعیت قائم کرنا رہا۔ ایسی باشعور اجتماعیت جو نہ بکنے والی ہو اور نہ جھکنے والی ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے حضرت شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے ہمیشہ اپنے اکابرین اور ان کی جدوجہد کا تعارف اپنے نوجوانوں کے سامنے رکھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کوشش اس دور میں رہی، جب کہ جدید نوجوان طبقے اور عوام میں ولی اللّٰہی جماعت کے کارنامے تو کیا، اس کا بنیادی تعارف بھی ناپید ہو چکا تھا۔

حضرت رائے پوریؒ نے قوم کے نوجوانوں کو یہ پیغام پہنچانے کے لیے مشنری جذبے کے ساتھ شب و روز ایک کر دیے۔ اس سلسلے میں آپؒ نے نامساعد حالات کے باوجود ملک کے طول و عرض کے دورے کیے اور جہاں کسی رابطے یا واسطے سے رابطہ ہو سکتا تھا، وہ بلا جھجک کیا، تاکہ اپنا پیغام پھیلایا جا سکے۔ اس حوالے سے ملک کے یہ طول و عرض گواہ ہیں۔ آپ کی یہ انتھک کوشش اس ضمن میں تھی کہ انسانیت دنیا اور آخرت میں فلاح پا جائے۔ یہی سنتِ انبیاؑ ہے۔ یہی وہ جذبہ تھا کہ آپؒ دوستوں سے اپنی آخری عمر تک انفرادی رابطے میں رہے۔ حضرت اقدسؒ ذاتی طور پر تمام احباب کے رابطہ نمبر اپنے فون اور ڈائریکٹری میں اپ ڈیٹ کرتے تھے۔ جب کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کہ جن کی مصروفیات کا یہ عالَم ہو کہ آپؒ تنظیمی امور، ادارہ رحیمیہ کے امور، خانقاہی امور میں نہ صرف رہنمائی دے رہے ہوتے تھے، بلکہ ان میں آپؒ ہمہ وقت ان امور میں خود بھی مصروف رہتے تھے۔ اس کے باوجود آپؒ جس طرح رابطے میں رہتے تھے، وہ ایک بہ ظاہر ناقابل فہم عمل تھا۔ یقیناً اس ایک چھوٹے سے عمل کو کرنے کے لیے نہ صرف وقت بلکہ کافی طاقت بھی لگتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اپنے مشن کو مکمل کرنے کا عشق اور جذبہ نہ ہو۔

اگر ہم اس دور کے پاکستانی سماج کا جائزہ لیں جس دور میں ہمارے حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشائخ کے حکم پر نوجوانوں کی تنظیم سازی کا آغاز کیا۔ اس سماج میں ڈھائی سو سالہ غلامی کے اثرات ابھی تک مندمل نہیں ہوئے۔ جیسا کہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ سمجھنا اس کا وطیرہ رہا ہے۔ اس لیے آپؒ کا پیغام نوجوانوں کے لیے یہ ہوتا تھا کہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کریں اور سچی جماعت کا ساتھ دیں۔ اور اس دور میں جب کہ معاشروں کا ہر عمل کارپوریٹ سرمائے کے گرد گھومتا ہے اور سرمائے کے فروغ کے لیے اندھے سسٹم میں سچ کی تلاش ایک مشکل عمل ہے۔ اور اس سسٹم کے ساتھ تعاون کرنے والی مختلف گروہیتیں اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے سچ کو جھوٹ میں مزید گم کر دیتی ہیں۔ ایسے حالات میں سچ کی نہ صرف پہچان کروائی، بلکہ اس پر ایک اجتماعیت قائم کر دینا ایک معجزے سے کم نہیں ہے۔ اور اس طرح کا معجزاتی کام کرنے کے لیے اپنی شخصیت سے باہر نکلنا ہوتا ہے اور اپنی نفی کرنا ہوتی ہے۔

ہم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو یہی عمل یعنی اپنی نفی اور اپنے اکابر کا تعارف اور ان کی قربانیوں کا ذکر اور ان کی حقانیت ثابت کرتے ہوئے دیکھتے رہے ہیں۔ اور اس عمل کی انتہا اس وقت ہوئی، جب ایک مرکزی پروگرام میں غالباً 2009ء میں آپؒ نے اختتامی

www.rahimia.org

خطاب کرتے ہوئے اپنے اکابرین کا ذکرِ خیر کیا اور موجودہ اجتماعیت کی قیادت کے لیے اپنی تیار کردہ ٹیم کی عزت افزائی کی اور اس موقع پر بھی کسی بھی طرح اپنی انفرادیت اور بڑائی بیان نہیں کی۔

آپؒ کو اس مشن کی تکمیل میں اپنے خاندان سے لے کر سسٹم کی پروردہ جماعتوں تک سب کی مخالفت مول لینی پڑی، مگر آپؒ کے اہداف نہایت غیر مبہم تھے اور آپؒ نے ان مخالفتوں اور فتویٰ بازی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے مشن کو جاری رکھا۔ اس کاوش کے نتیجے میں آپؒ نے نوجوانوں کے لیے مختلف پلیٹ فارم تیار کیے، تاکہ اس مشن کے حصول کے لیے اجتماعیت قائم ہو سکے۔ ان میں جمعیت طلبائے اسلام، پھر تنظیم فکر ولی اللّٰہی اور اس کے ساتھ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ ٹرسٹ لاہور، ادارہ عزم اور شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن ملتان قابل ذکر ہیں۔ ان پلیٹ فارمز پر نوجوان بھرپور طریقے سے اپنا کردار ادا کرنے کی کوششوں پر گامزن ہیں۔ یہ ادارے مخالف قوتوں کی شکست اور ان کی بے بنیاد مخالفت کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ''مخالفت کا جواب میدانِ عمل میں دیا جاتا ہے، نہ کہ محض بڑھکیں لگانے سے۔'' اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کر دکھایا۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا انفرادی کردار اور طریقۂ تربیت بھی منفرد شان لیے ہوئے تھا، بلکہ سنتِ نبویؐ کا عکس تھا۔ دوستوں کی تربیت کے حوالے سے جو توجہ اور محبت ہمیں اپنے حضرتؒ سے مل گئی ہے، وہ اس زندگی میں شاید ہی دوبارہ مل سکے۔ حضرتؒ کے لیے اس اجتماعیت کا قیام اور اس کی تربیت کسی عبادت سے کم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نوجوان حضرتؒ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے کہ جب راقم تنظیم سے متعارف ہوا تھا۔ اس وقت نام نہاد جہادِ افغانستان کا شور وغوغا اپنے عروج پر تھا۔ ایسے میں مذہبی جماعتوں کے کردار کی وجہ سے لوگ کسی بھی اجتماعیت میں شامل ہونے سے گھبراتے تھے۔ خاص طور سے ایسی اجتماعیت جو دینی شناخت لیے ہوئے ہو۔ ایسے حالات میں کسی دینی تحریک میں کردار ادا کرنے کا مطلب والدین کی جانب سے دباؤ کا آنا تھا۔ ان ہی دنوں میں حضرت محترمؒ کا دورۂ شمالی پنجاب طے تھا، جس میں حضرتؒ نے واہ کینٹ کا دورہ بھی کرنا تھا۔ اس دورے کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے میرے والدین کی ملاقات ہوئی اور اس کا نتیجہ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ دن اور آج کا دن ہے کہ وہ مخالفت موافقت میں بدل گئی اور اس کے بعد حضرتؒ کے واہ کینٹ دورہ جات کے علاوہ مختلف تنظیمی پروگرامات کا مرکز ہمارا گھر بھی رہا اور والدین کا نہایت عقیدت اور احترام کا تعلق ہمارے حضرتؒ اور تنظیم سے قائم ہو گیا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی دل موہ لینے والی شخصیت اور اس کا اثر تھا۔

یہ 8 ستمبر 2012ء ہفتہ کی شام تھی اور ادارہ رحیمیہ لاہور میں معمول سے زیادہ گہما گہمی تھی۔ نمازِ عشا کے بعد صوبہ پنجاب کی ذیلی تنظیموں کا اجلاس ہونا تھا۔ نمازِ مغرب اور مجلس ذکر کے بعد تمام احباب کے لیے کھانے کا اہتمام تھا اور آج معمول کے خلاف حضرت اقدسؒ نے رات کا کھانا اپنے کمرے میں ہی تناول فرمایا۔ کچھ دنوں سے طبیعت میں کمزوری تھی، مگر پھر بھی آپؒ کھانے کے لیے سیڑھیاں چڑھ کے بالائی منزل پر تشریف لے جاتے تھے۔ اس رات ہم تھوڑی دیر کے لیے حضرت اقدسؒ کے کمرے میں حاضر رہے اور عشا کی نماز کے بعد صوبائی اجلاس شروع ہو گیا، جو کہ تقریباً تمام رات جاری رہا۔

صبح اطلاع ملی کہ رات کے آخری پہر حضرت محترمؒ کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اور حضرتؒ کو پی آئی سی (Punjab Institute of Cardialogy) لاہور میں داخل کرنا ہے، تاکہ میڈیکل ٹیسٹ ہو سکیں۔ اور دوپہر کے وقت حضرتؒ کو پی آئی سی میں علاج کی غرض سے داخل کیا گیا۔ ہمارا اجلاس تقریباً نمازِ عصر کے وقت ختم ہوا اور اجلاس کے بعد ہم کچھ دوست حضرتؒ کی عیادت کے لیے ہسپتال پہنچے۔ حضرتؒ آئی سی یو (I.C.U) وارڈ میں تھے اور وہاں لواحقین کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ اسی وقت اطلاع ملی کہ حضرتؒ کو کمرے میں منتقل کرنا ہے۔ اس دوران راقم کو بہ طور اٹینڈنٹ (Attendant) آئی سی یو وارڈ میں جانے کے اجازت مل گئی۔

حضرت رحمۃ اللہ نیم غنودگی کی حالت میں تھے۔ میرے سلام کرنے پر حضرتؒ نے پہلا سوال کیا کہ پروگرام ٹھیک ہو گیا؟ اس سے حضرتؒ کے اپنے مشن کے ساتھ لگاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وہ تقریباً دو ہفتوں کا وقت تھا، جس میں حضرتؒ کی طبیعت سنبھل نہیں سکی۔ آخر 26 ستمبر 2012ء کو شعور اور حکمت وعزیمت کا یہ روشن باب مکمل ہوا۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیا سے جانے کے بعد اس کا احساس مزید بڑھ گیا، جس کی طرف آپؒ اکثر اشارہ فرماتے تھے کہ لوگ زندہ پیروں سے استفادہ اور رہنمائی نہیں لیتے، بلکہ اس دنیا سے گزر جانے والے بزرگوں کے پاس صرف دعائیں کرنے جاتے ہیں۔ اس دور میں اگلے وقتوں کی رہنمائی کے لیے ہمارے موجودہ حضرت اور جانشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور محترم مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ موجود ہیں اور ہمیں ان کی قدر کرتے ہوئے اپنی تشنگی دور کرنے اور تربیت مکمل کروانے کی سعی کرنی چاہیے۔ تاکہ ہم صحیح معنوں میں وہ اجتماعیت قائم کر سکیں، جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خوابوں کی تعبیر ممکن بنا سکے۔ آمین!

(بقیہ: بچوں کا کالم) حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: ''ایک دن روزہ رکھو اور دو دن افطار کرو۔'' بولے: میں اس سے بھی زیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ فرمایا: ''پھر ایک دن روزہ رکھو، ایک دن افطار کرو۔ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی عادت تھی۔ یہ روزوں کی سب سے بہتر صورت ہے۔'' عرض کی: میں اس سے بھی بہتر روزہ رکھ سکتا ہوں۔ فرمایا: ''اس سے بہتر کوئی روزہ نہیں ہے۔''

غرض حضرت عبداللہؓ تمام عمر روزے میں حضرت داؤدؑ کی پیروی کرتے رہے۔ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گزارتے۔ قرآن پڑھنے کا اس قدر شوق تھا کہ ہر تیسرے روز قرآن ختم کر دیتے۔ آخری عمر میں جب کمزور ہو گئے تو یہ عبادت مشکل معلوم ہونے لگی۔ فرمایا کرتے: ''کاش! میں اپنے دوست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت قبول کر لیتا۔''

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بقیہ: خداپرستی کا لازمی نتیجہ انسان دوستی ہے

ظلم کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر رکھ دیا جائے، تو وہ ظلم کہلاتا ہے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ برابری و مساوات کا رشتہ ہے۔ اور مساوات کا رشتہ ہی انسان کا انسانوں کے درمیان اصل مقام ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان ایک دوسرے کی حیثیت اور حقوق و فرائض کو تسلیم کرے۔ اگر اس مساوات کے رشتے کو تسلیم کرنے کے بجائے انسان کی تعظیم یا تحقیر اس انتہا تک پہنچا دی جائے کہ کہیں وہ خدا بن بیٹھے اور کہیں وہ خدائی مخلوق میں بدترین سمجھا جائے۔ یہ عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ اللہ کی مخلوقات میں سب سے اونچا درجہ انسان کا ہے۔ اور بقیہ تمام مخلوقات انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر کوئی انسان اور مخلوق کو ذاتِ اعلیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو یہ انسان کی بدنصیبی ہے۔

عقیدۂ رسالت: تمام انبیاؑ و آسمانی کتب پر ایمان لانا، تمام انبیا کو ایک ہی باغ کے مختلف پھول سمجھنا، ان کے درمیان بنیادی طور پر فرق نہ کرنا اور ان کی بنیادی تعلیمات کو ایک جیسا سمجھنا عقیدۂ رسالت کہلاتا ہے۔ تمام انبیا و رسل کی بعثت اور کتابوں کو نازل کرنے کا اصل مقصد سوسائٹی میں عدل و انصاف کا سسٹم قائم کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''البتہ تحقیق ہم نے تمام رسولوں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتاب اور میزان نازل کیا، تاکہ وہ انسانیت میں عدل و انصاف کا سسٹم قائم کریں۔'' (57:25) معاشرے میں عدل و انصاف کے نظام کا قیام انسانوں کو دنیا میں جنت جیسا گھر بنا دینے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اکثر ہم یہ دعا مانگتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی جنت دے اور آخرت میں بھی جنت دے۔'' (2:201) عقیدۂ رسالت ہی انسانوں میں وحدتِ فکری اور وحدتِ عملی پیدا کرتا ہے، تاکہ سوسائٹی میں محبت اور اُخوت برابر آگے بڑھتی رہے۔ یعنی ہر نظریے اور عمل کے بنیادی فلسفے کا تعین عقیدۂ رسالت ہی کرتا ہے۔ اور یہی خدا کی ترجمانی ہے۔

عقیدۂ آخرت: ہر انسان جو نظریہ رکھتا ہے اور جو عمل کرتا ہے، اس کے لیے اس نے جواب دہ ہونا ہے۔ یہ عقیدۂ آخرت کہلاتا ہے۔ اگر اس نے انسانیتِ عامہ کے مفاد کے نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے عمل کیا تو وہ اس دنیا میں بھی سرخرو ہوگا اور آخرت میں بھی۔ اگر اس نے انسانیت کے مفادِ عامہ کی بجائے ذاتی مفاد کو ترجیح دی تو وہ اس دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوگا اور آخرت میں بھی۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے: ''بلکہ تم دنیا (ذاتی مفاد) کو اہمیت دیتے ہوئے حال آں کہ آخرت خیر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔'' (87:16-17) یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسان نے اپنے اپنے خیر و شر کے نظریے اور عمل کی بنیاد پر جواب دہ ہونا ہے۔ اور انہی نظریات و اعمال کے اثرات مختلف شکلوں میں دیکھنے ہیں تو پھر کیوں انسان انسان سے محبت و اخوت کی سوچ و عمل کی بجائے انسانیت دشمن عناصر کو ترجیح دیتا ہے۔ حال آں کہ عقیدۂ آخرت کا بنیادی مقصد انسان کو خیر اور مفادِ عامہ کی ذمہ داری ادا کرنے کا احساس دلانا ہے۔

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص کے پاس اس قدر مال تھا کہ وہ حج کر سکتا تھا، اس نے فرض حج نہ کیا، بلکہ اس نے وہ روپیہ اپنی اولاد کی شادی وغیرہ میں خرچ کر دیا۔ اب وہ مفلس ہو گیا۔ اگر وہ تمام عمر مفلس رہے اور مال جمع نہ کیا اور فوت ہو گیا تو کیا گنہ گار ہوگا؟

جواب اس پر حج فرض ہو چکا تھا۔ اگر بغیر حج کیے فوت ہو گیا تو گنہ گار ہوگا۔

سوال ایک مال دار شخص بغیر حج کیے فوت ہو گیا۔ اس کے وارث اس کا مال کسی مصرفِ خیر میں مثلاً ادارہ/مسجد وغیرہ کی تعمیر میں لگا دیں تو کیا یہ جائز ہے؟ یا حج بدل کرائیں؟

جواب حج بدل کرانا چاہیے اور اس کی دو صورتیں ہیں:

۱) ایک یہ کہ متوفی پر حج فرض تھا، اس نے حج کرانے کی وصیت کی تو اس کے تہائی مال سے حج بدل کرانا ورثا کے ذمے ضروری ہے۔ دوسرے مصرف میں یہ پیسہ خرچ نہیں ہو سکتا۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ متوفی نے حج کی وصیت نہیں کی۔ تو اس صورت میں بہتر ہے کہ حج بدل کرایا جائے اور اس قدر روپیہ یا کم و بیش مسجد/دینی ادارے میں لگا دیا جائے تو بھی درست ہے۔ بہ شرط یہ کہ سب ورثا بالغ ہوں۔ سب کی رضا سے ایسا ہو سکتا ہے۔

سوال زید کو ایک شخص نے اپنے متوفی کی جانب سے رقم حج بدل کے لیے دی، مگر زید اپنے بجائے کسی دوسرے شخص کو حج میں بھیجنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر رقم دینے والے نے اس طرح کرنے کی اجازت دے دی ہو کہ چاہے خود جاؤ، چاہے کسی کو بھیج دو! تو وہ شخص دوسرے شخص کو بھیج سکتا ہے۔ اور اگر یہ اجازت نہ تھی تو رقم لینے والے کو خود جانا ضروری ہے۔ خود جائے یا رقم واپس کر دے۔

سوال محرم (احرام باندھنے والے) کے لیے جوتے کا کیا حکم؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف ایڑھی اور ٹخنے ننگے ہونے چاہئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ پاؤں کے اوپر والا حصہ ننگا ہونا چاہیے۔ صحیح شریعت کا کیا حکم ہے؟ ڈاکٹر انیس الرحمٰن، چشتیاں

جواب محرم کے لیے بند جوتے پہننا ناجائز ہے۔ جوتا ایسا ہونا چاہیے، جو صرف پاؤں کے پنجوں اور ایڑیوں کو گھیر لے۔ پاؤں کا اوپر والا حصہ مکمل طور پر اور ٹخنے کھلے رہنے چاہئیں۔ ہوائی چپل احرام کی حالت میں پہنی جا سکتی ہے۔

سوال میرے والدین سعودیہ عرب میں مقیم تھے۔ میں بھی انھیں کے ساتھ وہاں مقیم تھا۔ زمانۂ بلوغت سے قبل میں نے اپنے والدین کے ہمراہ حج کیا تھا۔ اب ہم اپنے ملک پاکستان میں واپس آ چکے ہیں اور ہماری مالی حالت بھی کمزور ہے۔ کیا میرے ذمے بلوغت کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہے؟ محمد عمر، چشتیاں

جواب جوانی سے قبل اگر کسی نے کوئی حج کیا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اگر مال دار ہے تو جوان ہونے کے بعد دوبارہ پھر حج کرنا فرض ہے۔ اور جوانی سے پہلے جو حج کیا ہے، وہ نفل شمار ہوگا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔